© rasailojaraid.com

مکالمہ

مسلم - مسیحی روابط کی راہ میں حائل مشکلات

[ریورنڈ سپیل مین ہالینڈ کے رہنے والے ہیں۔ اُنھوں نے یورپ کے حوالے سے مسلمانوں اور مسیحیوں کے درمیان موجود مسائل پر گفتگو کی ہے۔ اُن کا یہ مضمونچہ Current Dialogue کے شمارہ بابت جون ۱۹۹۳ء میں شائع ہوا ہے۔ مدیر]

"ایک معاشرے میں رہنے اور ساتھ ساتھ کام کرنے" کا تقاضا تو یہ ہے کہ مسلمانوں اور مسیحیوں میں قریبی روابط ہوں، مگر یورپی ماحول میں ایسا کم ہی ہوتا ہے۔ بیشتر فعّال اور دینی جذبہ رکھنے والے مسیحی مسلمانوں سے مختلف پیشے رکھتے ہیں، ان سے الگ محلّوں میں رہتے ہیں اور ان سے علیٰحدہ سماجی حلقوں میں سرگرم عمل ہوتے ہیں۔ کم از کم میرے ملک (ہالینڈ) میں تو مسلمانوں اور مسیحیوں میں سماجی روابط کے امکانات محدود ہیں۔

آخر کیوں؟ میرے ملک میں (بلکہ زیادہ تر یورپی ممالک میں) بیشتر بڑے کلیساؤں میں اُن سے وابستہ مزدور پیشہ کارکنوں کی فہرست موجود ہے۔ کلیسیا اُن علاقوں میں توانا ہیں جہاں متوسط طبقہ رہتا ہے یا پھر دیہات میں۔ شہر کے اندرونی حصّوں اور غریب بستیوں میں کلیسیا کمزور ہیں یا معدوم ہوتے جا رہے ہیں جبکہ یورپ میں رہنے والے اکثر مسلمان انھی علاقوں میں بستے ہیں۔ کچھ کلیسیا مثلاً پینٹی کاسٹل، تارکینِ وطن کے چرچ اور چند رومن کیتھولک حلقے اس کلیہ سے مستثنیٰ بھی ہیں۔

چند ایسی استثنائی صورتیں بھی ہیں جن میں مسیحیوں اور مسلمانوں میں روابط کے مواقع لازماً نکل آتے ہیں۔ خصوصاً اسکولوں میں مسلم اور مسیحی نوجوان باہم ملتے ہیں۔ کبھی کبھی کلیسیا محلّے کی قریبی مسجد سے رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کر لیتے ہیں۔ کئی مسیحی خواتین مسلم خواتین کو مقامی زبان سکھاتی ہیں، نیز کچھ مسلمان متوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ایسی مثالیں ہالینڈ اور جرمنی کی نسبت برطانیہ اور فرانس میں زیادہ ملتی ہیں۔

چونکہ مسلمانوں اور مسیحیوں کو باہم ملنے جلنے کے مواقع کم ملتے ہیں، لہٰذا وہ ایک دوسرے کے بارے میں لگے بندھے تصوّرات سے آگے نہیں بڑھتے۔ پھر دنیا میں کہیں بھی جب کوئی واقعہ رونما ہوتا ہے تو اس سے ان تصوّرات کو تقویت پہنچتی ہے۔ ہالینڈ کے بہت سے مسیحیوں کو فی الواقع یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خوف ہے کہ مسلمان ہمارے معاشرے پر قابض ہو جائیں گے۔ (واضح رہے کہ ہالینڈ میں مسلمان ہماری آبادی کا کل ۳ فیصد ہیں، پارلیمنٹ میں ان کا کوئی رکن نہیں ہے، ان کی اکثریت کا تعلق کم آمدنی والے طبقے سے ہے، اور بتدائی تعلیم سے بمشکل ہی کچھ زیادہ تعلیم رکھتے ہیں۔) یہ خوف دنیا کے دیگر خطّوں سوڈان، مصر، الجزائر، سعودی عرب اور نائجیریا کے تغیرّات سے اُبھرا ہے۔

مسلمان اس کے برعکس خدشات میں مبتلا ہیں کہ مسیحی اُن کے بچوں کو عیسائی یا "مغربی" بنا لیں گے۔ "مغرب" کے بارے میں ان کے اپنے مخصوص نظریات و تصوّرات ہیں۔ ان کے نزدیک "مغرب" چمک دمک اور اخلاق باختگی کی اُس دنیا کا نام ہے جس کا مشاہدہ وہ ہر شب ٹیلی وژن پر کرتے ہیں۔

یوں ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ مسلمانوں اور مسیحیوں کے درمیان سماجی روابط کیسے پیدا کیے جائیں اور ان کے درمیان موجود باہمی تعصّبات کا خاتمہ کیسے ہو؟

کچھ اور خصوصی معاملات لیجیے۔ ایک خاص مسئلہ نسلی تعصّب کا ہے۔ یورپ کے مسلمانوں کو دوسرے یورپی اجنبی سمجھتے ہیں۔ ان کی نگاہ میں مسلمانوں کی تہذیب مختلف ہے، بلکہ غیر ترقی یافتہ ہے۔ اُن کے خیال میں مسلمان کبھی یورپ کا فی الحقیقت جزو نہ بنیں گے۔ کچھ مسلم نوجوان نسل پرستی کے خلاف مہم چلا رہے ہیں اور ان کو مسیحی نوجوانوں کے چند گروہوں کی حمایت حاصل ہے۔ مساجد کے کچھ امام اپنے خطبوں میں واضح کرتے رہتے ہیں کہ نسلی تعصّب اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ اس طرح وہ اپنی برادری پر تنقید کرتے ہیں۔ (خود مسلمانوں کے اندر بھی ایک دوسرے کے خلاف خاصا تعصّب موجود ہے۔)

چرچ اور مسجد جانے والوں کے تعلقات میں ایک مسئلہ جو پس منظر کا کردار ادا کرتا ہے، معاشرے میں مذہب اور روایات کی علیحدگی کا ہے۔ یورپی معاشرہ اور خصوصاً ڈچ معاشرہ بہت زیادہ سیکولر ہے۔ مذہب اور ریاست کی علیحدگی کے عمل کے دو چہرے ہیں، ایک بیرونی اور ایک اندرونی۔ بیرونی طور پر اس کا مظہر یہ ہے کہ کلیسیاؤں کو سماجی تنظیم کی حیثیت دیتے ہوئے بہت کم لوگ ان میں شرکت کرتے ہیں، لیکن اصل معاملہ اس سے آگے ہے۔ لوگ کسی بھی قسم کی سماجی تنظیموں میں بہت زیادہ شریک ہونا نہیں چاہتے۔ سیاسی جماعتوں، سپورٹس کلبوں، نوجوانوں کی تنظیموں، خیراتی اداروں اور محلہ کمیٹیوں، سب کو گھٹتی ہوئی رکنیت کے مسئلے کا سامنا ہے۔ سماجی گرفت کم ہوتی جا رہی ہے، انفرادی آزادی بڑھ رہی ہے، لیکن ساتھ ہی احساس تنہائی اور احساس عدم تعلق میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ اندرونی طور پر اہل عقیدہ بھی "پرانے وقتوں" کے مذہبی عقاید سے ہاتھ دھوتے جا رہے ہیں۔ اس صورتِ حال سے لوگوں کو یہ موقع مل سکتا ہے کہ وہ دوسروں کا فیصلہ کن اختیار تسلیم کیے بغیر اپنی خواہش کے مطابق اپنے لیے جو عقیدہ چاہیں تشکیل دے لیں، لیکن اِس سے اندر کے یقین و اعتماد کو ٹھیس پہنچے گی۔ یورپی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسیحی اب اکثر سوچتے ہیں کہ شاید صرف یورپ اور مسیحی دنیا اس قسم کے تجربات سے گزر رہی ہے، جبکہ مسلمان اور تُرک اپنے معاشروں میں احساس اجتماعیت اور عقاید پر پختہ ایمان برقرار رکھے ہوئے نظر آتے ہیں، جسے ہم گنوا چکے ہیں، اگرچہ یہ امرِ واقعہ نہیں ہے۔ ترک وطن کر کے آنے والے بہت سے مسلمان یورپ میں مذہب و سیاست کی دوئی سے متاثر ہوتے ہیں۔ نوجوانوں کی اکثریت مسجد میں کم ہی نظر آتی ہے۔ مثال کے طور پر ہالینڈ میں مقیم مراکش کے بہت سے نوجوان اپنے والدین کے لیے فکرو تردّد کا باعث بن رہے ہیں، کیوں کہ امام انہیں عقاید کے بارے میں جو کچھ بتاتا ہے، اسے وہ بلا چون و چرا قبول نہیں کرتے۔ وہ بہ آسانی مراکشی برادری سے الگ ہوسکتے ہیں اور اکثر ہوجاتے ہیں۔ والدین محسوس کرتے ہیں کہ اُن کے بچے سیکولر یورپی معاشرے کی بھینٹ چڑھ رہے ہیں۔ مسلم والدین کا ردعمل اکثر مسیحی والدین کی طرح کا ہوتا ہے۔ اس کے سدّباب کے لیے وہ کوشش کرتے ہیں کہ اپنے بچوں کے ایسے جیون ساتھی "اپنے وطن" سے لے آئیں جو (ان کے خیال میں) پرانی اقدار کے سائے میں پلے بڑھے ہوں۔ یہ لوگ باقاعدگی سے مسجد جانے لگتے ہیں، اور تبلیغی جماعت یا دیگر اسلامی تحریکوں کے فعّال کارکن بن جاتے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ یورپ کے مسلمانوں اور مسیحیوں کو دین و سیاست کی علیحدگی کے عمل پر باہم گفتگو کرنا چاہیے۔ انہیں اس سے جو خدشات لاحق ہیں، جو احساسِ زیاں ہے اور جو امکانات انہیں نظر آتے ہیں، ان سب پر گفتگو کرنا چاہیے۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے جو عقاید کی حامل دونوں ملتوں سے متعلق ہے۔

مسلمانوں سے رابطہ استوار کرنا یا اُن سے رابطے کے بارے میں سوچنا بھی مسیحیوں کے لیے بین المذاہب مکالمے کا سوال کھڑا کر دیتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس قسم کے سوالات کا تعلق (کم از کم یورپ میں) دین و سیاست کو جُدا کرنے کی غیر یقینی کیفیات سے متعلق ہے۔ مسیحی سوچتے ہیں کہ مسلمانوں سے رابطہ کن مقاصد کے لیے کیا جائے؟ کیا ہم مسلمانوں کو اپنا ہم عقیدہ بنانے کی کوشش کریں؟ یا ہم ان سے خداوند خدا کے بارے میں وہ باتیں سیکھیں جو وہ جانتے ہیں (یا جاننے کا دعوی کرتے ہیں۔) یا مکالمے کا مطلب یہ ہو کہ ہم ان دونوں کاموں کو تھوڑا تھوڑا کرنے کی کوشش کریں؟ اِن سوالوں کے نتیجے میں یہ سوال سامنے آتا ہے کہ کیا بحیثیت مسیحی ہمارے اور مسلمانوں کے درمیان مذہبی سطح پر کوئی قدر مشترک ہے؟ جہاں تک میرا مشاہدہ ہے زیادہ تر یورپی مسلمان اس قسم کے سوالات نہیں اٹھاتے۔ مسیحیوں سے رابطے کی افادیت کے بارے میں اُن کے درمیان اختلافِ رائے پایا جاتا ہے۔ جو لوگ مسیحیوں سے الگ تھلگ رہنے کے قائل ہیں، اُن کی دلیل یہ ہے کہ مسیحی صرف اس مقصد سے مسلمانوں سے رابطہ قائم کرتے ہیں کہ وہ اُنہیں حلقۂ مسیحیت میں لے آئیں، لہٰذا اُن سے کسی قسم کا رابطہ استوار کرنا نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے۔ دوسروں کی دلیل یہ ہے کہ مسیحی کم از کم کوئی عقیدہ تو رکھتے ہیں، لہٰذا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُنہیں یورپ میں مسلمانوں کا سب سے زیادہ فطری حلیف ہونا چاہیے۔

ایک اور خاص مسئلہ مخلوط شادیوں کا ہے۔ مسلمان مردوں اور مسیحی خواتین کے درمیان ہونے والی شادیوں کی تعداد یورپ میں بڑھ رہی ہے۔ واضح رہے کہ کچھ ممالک میں مسلم خواتین اور مسیحی مردوں کے درمیان شادیوں میں بھی کسی قدر اضافہ ہوا ہے جو مذہبی قوت کے کمزور ہونے کی ایک یقینی علامت ہے۔ کیوں کہ اکثر اِن شادیوں میں مسیحی فریق باقاعدگی سے گرجا گھر جانے والا نہیں ہوتا اور مسلم شریکِ حیات بس نام کا مسلمان ہوتا ہے، تاہم اس کے باوجود اِن شادیوں کے نتیجے میں مسیحی شریکِ حیات اسلام قبول کرلیتا ہے، کیوں کہ ایک مسلم خاندان میں یہ بات کسی مسیحی خاندان کی نسبت زیادہ اہمیت رکھتی ہے کہ اس خاندان کے داماد یا اس کی بہو کا تعلق "راست" عقیدے سے ہو۔ اسلام قبول کرنے کا فیصلہ عموماً بچوں کی ولادت کے بعد کیا جاتا ہے۔ والدین یہ بات پسند نہیں کرتے کہ ان کے بچوں کی نشوونما کسی عقیدے کے بغیر ہو یا دو عقیدوں کے ساتھ ہو۔ مسیحی شریکِ حیات پر بعض اوقات اچھا خاصا دباؤ ڈالا جاتا ہے کہ وہ اسلام قبول کرلے۔ اس صورتِ حال میں متعلقہ فرد کے لیے تناؤ کی کیفیت کا پیدا ہونا لازمی ہے۔ ایسی مثالیں بھی ہیں کہ فریقین اپنا اپنا عقیدہ برقرار رکھتے ہیں۔ اس کا بالعموم سبب یہ ہوتا ہے کہ دونوں اپنے اپنے عقیدے پر پختہ ایمان اور دوسرے کے عقیدے کے لیے جذبۂ احترام رکھتے ہیں۔ بسا اوقات اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ دونوں کے لیے عقیدے کی اہمیت کچھ زیادہ نہیں ہوتی۔ دونوں صورتوں میں اس وقت ایک کشاکش پیدا ہوجاتی ہے جب بچے جنم لیتے ہیں۔ یکایک ماں باپ دونوں کو خیال آتا ہے کہ وہ اپنی مذہبی اقدار بچوں میں منتقل کریں۔ اس کشاکش کا پیدا ہونا لازمی ہے، چاہے انہوں نے اس مسئلے پر قبل ازاں غور و فکر کرکے کوئی سمجھوتا ہی کیوں نہ کرلیا ہو مگر جب بچہ ان کے سامنے آتا ہے تو خیالات تبدیل ہوجاتے ہیں۔

جو لوگ مخلوط شادیاں کرتے ہیں، انہیں دونوں خاندانوں اور دونوں برادریوں کی طرف سے مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس پر مستزاد دوسرے عوامل ہیں جو ان شادیوں کے کامیاب ہونے کی راہ میں حائل ہوجاتے ہیں۔ نسلی تعصّب، ثقافتی اور (بعض اوقات) سماجی طبقاتی فرق اور زبان کا مسئلہ ایسے ہی عوامل ہیں۔ اِس لیے یہ بات باعثِ حیرت نہیں کہ عموماً اس قسم کی اکثر شادیاں طلاق پر منتج ہوتی ہیں۔ طلاق کے بعد بچوں کی سرپرستی حاصل کرنے کے لیے لڑائی شروع ہوجاتی ہے۔ بہت سے پادری مخلوط شادیوں سے پیدا ہونے والے مسائل میں نوجوان جوڑوں کی مدد کر رہے ہیں۔ میں ایسے ائمہ مساجد کو بھی جانتا ہوں جو اس میدان میں متحرک ہیں۔ وہ مخلوط شادیوں کے اُن منفی پہلوؤں پر زور دیتے ہیں جن کا ذکر اوپر کی سطروں میں کیا جاچکا ہے۔ مخلوط شادیاں مسلم اور مسیحی خاندانوں بلکہ برادریوں کو ایک دوسرے سے دور کرسکتی ہیں، تاہم ان شادیوں کا ایک زیادہ مثبت اور روشن پہلو یہ ہے کہ اگر یہ شادیاں کامیاب ہوجائیں تو یہ اپنے خاندانوں بلکہ برادریوں کے درمیان فاصلے کم کرسکتی ہیں۔

© rasailojaraid.com